



جلد ۱۰ شمارہ ۱۹، ۲۰۲۳

Article

Unpublished Qitaat of Ameer Meenai

امیر مینائی کے غیر مطبوعہ قطعات

Dr. Saddaf Tabassum*¹

¹ Assistant Professor, Department of Urdu, University of Karachi

*Correspondence: s.tabassum@uok.edu.pk

¹ ڈاکٹر صدف تبسم

¹ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ کراچی

eISSN: 2707-6229

pISSN: 2707-6210

Doi:

Received:01-05-2023

Accepted:20-05-2023

Online:30-06-2023



Copyright: © 2023
by the authors. This is
an open-access article
distributed under the
terms and conditions
of the Creative
Common Attribution
(CC BY) license

Abstract: The name of Amir Ahmad Amir Minai needs no introduction in Urdu poetry. He was born in Lucknow in 1829 according to 1244 AH. and died in 1900 according to 1318 AH. He wrote Naat, qasida, masnawi, wasukht, riddles, sayings, salam, suhare, tarkeeb-band, tarjee-band, qitat, rubai and chronology, etc. are all included. There are also many rubaiat and historical sections in Amir's published speech. These types of stanzas (quatrains) are somewhat different from each other in terms of structure. In literary terms, a quatrain(Qita) is a poem that appears to be a cut part of a ghazal or qasida are connected and continuous. In this paper, those unpublished pieces(Qitat) of Amir Meenai are included which do not fall into the category of history but have a unique position in terms of the diversity of their topics, literature, ethics and knowledge in their pieces.

Keywords: Ameer Meenai, Lucknow, Qita , Rubai, unpublished

امیر احمد امیر مینائی کا نام اردو شاعری میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۹ء لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ۱ اور ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں انتقال فرمایا۔ ۲ امیر ایک معروف شاعر، نثر نگار اور لغت نویس تھے۔ شاعری کی تقریباً ہر صنف میں طبع آزمائی کی جس میں غزل، نعت، قصیدہ، مثنوی، واسوخت، پہیلیاں، کہہ مکر نیاں، سلام، سہرے، ترکیب بند، ترجیع بند، قطعات، رباعی اور تاریخ گوئی وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔ کئی تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں جن میں دو غزلیہ (مرآۃ الغیب ۳، صنم خانہ عشق ۴)، ایک نعتیہ دیوان (محمد خاتم النبیین ۵) اور ایک فارسی دیوان (جسے تحسین فراقی صاحب نے ۲۰۱۵ء میں مرتب کیا ہے) شامل ہیں۔ ۶۔ امیر اللغات ۷ کی تین جلدوں کے علاوہ فارسی لغات "سرمۂ بصیرت" ۸، "معیار الاغلاط" ۹ اور "بہارِ ہند" حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ ۱۰۔ ایک تذکرہ "انتخابِ یادگار" ۱۱، مجموعہ مکاتیب ۱۲، موسیقی پر لکھی گئی کتاب "نغمہ قدسی" ۱۳ اور اس کے علاوہ نثر کی دیگر کتابیں ۱۴ بھی شائع ہو چکی ہیں۔ امیر کی دیگر اصناف ۱۵ پر تیزی سے کام جاری ہے اور امید ہے کہ جلد منظر عام پر آجائیں گی۔

امیر مینائی نہ صرف شاعر اور نثر نگار تھے بلکہ ایک عالم صوفی بھی تھے۔ عربی میں فاضل اجل، فارسی میں ماہر کامل، اردو کے ماہر زبان، علم دین کے محقق اور علوم حکمت و نجوم و عروض وغیرہ پر پوری طرح قادر تھے۔ اخلاقی حسنہ کا مجسمہ تھے اور شعر فہمی و سخن سنجی کے متعلق توانا کہہ دینا کافی ہے کہ "خاتم الشعراء" تھے۔ ۱۶ یوں تو امیر کی قادر الکلامی اور کثیر الجہتی میں کوئی کلام نہیں ہے۔ ان پر کئی حوالوں سے تحقیق کی جا چکی ہے اور کی جا رہی ہے۔ راقم نے بھی اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کے لیے امیر کے قصائد کو موضوع بنایا اور ان کے چوں (۵۴) غیر مطبوعہ قصائد کی تدوین کی جو ان شاء اللہ جلد طبع ہو جائیں گے۔ ۱۷ اس تحقیق کے دوران امیر کے کلام کے کچھ ایسے غیر مطبوعہ نسخے سامنے آئے جن میں ایسی بہت سی اصناف موجود تھیں جو امیر کی قادر الکلامی کا ثبوت دیتی ہیں۔ ان ہی میں ایک صنف رباعی اور قطعات کی بھی ہے۔ امیر کے مطبوعہ کلام میں بھی کافی رباعیات اور قطعات تاریخی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ ان کی سوانح عمریوں میں بھی شامل کی گئی ہیں جو خاص طور پر ان کے شاگردوں (ممتاز علی آہ، کریم الدین احمد، جلیل مانکیپوری) ۱۸ وغیرہ نے شامل کی ہیں۔ چار مصرعوں پر مشتمل یہ اصناف (رباعی اور قطعہ) ایک دوسرے سے ہیئت کے لحاظ سے کچھ مختلف ہیں۔ عموماً لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کر پاتے لیکن دراصل رباعی کی تعمیر و تشکیل میں اہم چیز اس کا وزن ہے۔ جس کا تعلق خاص طور پر علم عروض سے ہے۔ رباعی بحر ہزج میں ہی لکھی جاتی ہے۔ جس کے لیے اربع و آخرم کے مخصوص چوبیس اوزان ہیں۔ اگر یہ چار مصرعی نظم ان اوزان سے باہر ہو جائے تو قطعہ کہلاتی ہے۔ قطعے کے لغوی معنی "کٹڑے" یا "کائے ہوئے" کے ہیں۔ ادبی اصطلاح میں قطعہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جو ظاہری طور پر غزل یا قصیدے کا کٹا ہوا حصہ معلوم ہو۔ قطعے میں کم سے کم دو اشعار اور زیادہ سے زیادہ سترہ اشعار ہوں گے۔ ۱۹ بعض شعراء کے ہاں اس سے زائد اشعار بھی ملتے ہیں۔ قطعے کے اشعار معنی کے اعتبار سے مربوط اور مسلسل ہوتے ہیں۔

قطعے سے متعلق ڈاکٹر فرمان فتحپوری لکھتے ہیں:

"قطعہ کو ہیئت کے اعتبار سے قصیدہ یا غزل مسلسل خیال کرنا چاہیے۔ صرف یہ کہ قصیدہ اور غزل میں مطلع کا ہونا ضروری ہے اور قطعہ میں عموماً مطلع نہیں ہوتا۔ گویا کسی نظم کے پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں قافیہ نہ لانے کے سبب اسے قطعہ کہا جاتا ہے۔" ۲۰

اس حوالے سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ قطعہ میں نہ ہی مطلع کی پابندی ہوتی ہے نہ ہی ممانعت۔ چنانچہ شعراء کے کلیات اور دواوین کا مطالعہ کرنے سے ہمیں ایسے قطعات بھی ملتے ہیں جن کا پہلا شعر مطلع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ایسے قطعات کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے جن کا پہلا شعر مطلع کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور اس کے لیے یہی مروجہ ہیئت قرار دی جاتی ہے۔ عصر حاضر میں زیادہ تر ایسے قطعات کہے گئے ہیں جن میں مطلعوں کا استعمال ہوا ہے لہذا رباعی اور قطعے میں فرق سمجھنے کے لیے رباعی کے اوزان سمجھنا ضروری ہو گیا ہے۔ قطعہ دراصل ایک سمٹی ہوئی مختصر نظم ہے جس میں خیال کو مربوط انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ قطعے کے موضوعات متعین نہیں ہیں۔ لیکن زیادہ تر اخلاقی، فلسفیانہ اور موقع کی مناسبت سے اہم مضامین شامل کیے جاتے ہیں۔ ابتدا میں یہ غزل اور سلام یا قصیدے کے قطعہ بند اشعار کے ساتھ منسلک رہتا تھا لیکن بعد میں علاحدہ صنف قرار پایا۔ قطعے کے اشعار کے لیے رباعی کی طرح کسی بحر یا وزن کی تخصیص نہیں لیکن اتنی پابندی ضرور ہے کہ اس کی بحر رباعی کی مخصوص بحر یا وزن سے مختلف ہو۔ وہ قطعات جن کا پہلا شعر مطلع کی حیثیت رکھتا ہے ایسے قطعات اور رباعیات کے درمیان ان کے مختلف الاوزان ہونے کے سبب ہی امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ ۲۱

قطعہ نگاری اپنی طویل تاریخ رکھتی ہے اور اس نے عربی اور فارسی سے کسب فیض کرنے کے بعد اردو کو تقویت پہنچائی ہے۔ لیکن دوسری اصناف مثلاً مثنوی، رباعی، غزل، قصیدہ، مرثیہ وغیرہ کے مقابلے میں اردو قطعہ نگاری زیادہ مقبول نہیں ہوئی۔ ہر صنفِ سخن کی اپنی حد ہوتی ہے اور اسی دائرے میں اس صنفِ سخن کے مضامین تلاش کیے جاتے ہیں چنانچہ اس کے بارے میں بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو بات قطعے کے اسلوب میں پیش کی جاسکتی ہے دیگر اصنافِ سخن میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس اعتبار سے قطعہ اختصار، جامعیت اور وسعتوں کا حامل ہے۔ اس میں ایک مضمون کو سالمیت کے اعتبار سے کم سے کم الفاظ میں اور کم سے کم اشعار میں پیش کیا جاتا ہے۔ قطعہ معنی آفرینی کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انسانی زندگی کی بڑھتی ہوئی مصروفیات نے اس صنفِ سخن کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کیا ہے، لہذا قطعہ بھی نظم کی دیگر طویل اصنافِ سخن کے مقابلے میں ایک مختصر نظم ہے۔ ۲۲۔

امیر مینائی کی شاعری میں بھی قطعات کی ایک بڑی تعداد موجود ہے، جس میں بیشتر تاریخ گوئی کے لیے لکھے گئے ہیں۔ تاریخ گوئی کے فن سے امیر کو خاص دلچسپی تھی۔ انھوں نے نہ صرف کثرت سے قطعات تاریخ کہے ہیں بلکہ بالالتزام اپنی متعدد تصانیف کے نام بھی تاریخی رکھے ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ

"امیر تاریخ کے بادشاہ تھے۔ بات بات پر تاریخ کہتے تھے لوگ مطالبہ کرتے تھے اور وہ انھیں قطعہ لکھ کر دیتے تھے" ۲۳

امیر کے تاریخی قطعات دراصل صرف واقعات کی تفصیل نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے دلی جذبات و احساسات اس میں سمو دیتے ہیں۔ ان کا انداز ایسا اپنائیت لیے ہوئے ہوتا تھا کہ ان کے جذبے کی سچائی میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر "مہتاب داغ" کے تاریخ کے لیے یہ قطعہ ملاحظہ کیجیے

ایک اک شعر ہے اس دیواں کا	اشہب طبع کے حق میں چابک
اس کی تاریخ کبھی میں نے امیر	لفظ چالاک، معانی نازک (۱۳۱۴ھ) ۲۴

ایک طالب علم کے دیوان "غنجہ پیہر" کی تاریخ کے لیے یہ قطعہ کہا

کچھ نظم کی کلیاں ہیں تو کچھ نظم کے پھول	مہکا ہوا کیا باغ ہے اوصاف نبی کا
مجموعے کا ہے عطر، امیر آس کی ہے تاریخ	مجموعہ ہے یہ نعت رسول عربی کا (۱۳۱۳ھ) ۲۵

تاریخ گوئی امیر کی ایک ایسی جہت ہے جس پر ایک وسیع تحقیقی کام کی ضرورت ہے اور نبیرہ امیر مینائی جناب اسرئیل مینائی کے زبانی بیان کے مطابق اس موضوع پر کام جاری ہے۔ ہمارے اس مقالے میں امیر کے وہ غیر مطبوعہ قطعات شامل کیے گئے ہیں جو تاریخ گوئی کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ اپنے موضوعات کے تنوع کے لحاظ سے ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ قطعات امیر کی غیر مطبوعہ رباعیات کے درمیان میں تحریر کیے گئے ہیں، نسخے میں دو جگہ رباعیات لکھ کر قلم زد کیا گیا اور پھر قطعات لکھا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے رباعیات اور قطعات میں فرق کیے بغیر ہی نسخے کی نقل کر دی جس کی بعد ازاں تصحیح کی گئی۔ ہمیں امیر کی رباعیات کے تین نسخے حاصل ہوئے۔ جو نبیرہ امیر جناب اسرئیل احمد مینائی (پیدائش ۱۹۲۰ء۔۔ وفات ۲۰۲۲ء) کی ملکیت تھے اور اب ان کے صاحبزادے مصطفیٰ مینائی کی ملکیت ہیں۔ ان تین نسخوں میں سے ایک قلمی نسخہ "قطعات تاریخ (اردو)" جو چھ (۶) صفحات پر مشتمل ہے جس میں بیشتر قصائد تاریخی ہیں۔ نسخے کے آغاز اور انجام سے یہ پتا نہیں چلتا کہ یہ کوئی باقاعدہ کتاب ہے اور تحریر کیے جانے اور مرتب کیے جانے کی تاریخ کیا ہے۔ دوسرے نسخے میں رباعیات ہیں جو کسی کاتب کے ہاتھ کی نقل ہیں۔ نہ ہی اس پر کسی کاتب کا نام تحریر ہے اور نہ تاریخ اور سن

وغیرہ۔ اس نسخے سے ہمیں چند قطعات دستیاب ہوئے ہیں۔ جب کہ ایک نسخہ فائل میں نقل کی صورت میں حاصل ہوا۔ ان تینوں نسخوں کو الف، ب اور ج کا نام دیا گیا ہے۔ اور قطعات تحریر کرتے وقت اختلاف نسخہ کا خیال رکھا گیا ہے۔ نسخوں میں کہیں بھی کاتب کا نام تحریر نہیں ہے۔ اور نا ہی یہ امیر کی اپنی تحریر ہے۔ نسخے میں درج قطعات قدیم املا میں تحریر کیے گئے تھے جس میں ہائے ہوز اور ہائے مخلوط کا فرق نہیں ملتا، اسی طرح یائے مجہول اور یائے معروف میں بھی تمیز نہیں کی گئی ہے۔ کاف اور گاف پر ایک ہی مرکز ملتا ہے۔ اس کے علاوہ لفظوں کو جوڑ کر لکھا گیا ہے۔ راقمہ نے تحریر کو جدید املا کے اصولوں کے مطابق لکھا ہے۔

غیر مطبوعہ قطعات درج ذیل ہیں:

لاکھوں جوان سینکڑوں اطفال چل بے	ہم اپنی سخت جانی سے گر کر سنبھل گئے
مر جانے کی جگہ ہے تجھے، اے سمندر عمر!	پیچھے تھے جو سوار وہ آگے نکل گئے

چندے جو ذوقِ حسن پرستی رہا ہمیں	ہر خوبرو میں یوسفِ ثانی کا حسن تھا
پیری میں ایک بھی نظر آتا نہیں حسین	شاید وہ سب ہماری جوانی کا حسن تھا
کبھی جو اوجھے ہوں واروں پہ میرے زخموں سے	برنگِ زخمِ رواں خونِ ناب ہوتا ہے
تو کیا! بگڑ کے وہ کہتا ہے چھیڑنے کو مرے	ہنسی ہنسی میں کہو اب یہ کون روتا ہے
بس کر چکے امیر بہت یادِ رفتگاں	پھیلا کے پاؤں گور میں اب چل کے سوئے
لاکھوں عزیز سینکڑوں احباب مر گئے	کس کس کو یاد کیجیے، کس کس کو روئے
کبھی تو رحم کر اور وزگار نامِ انصاف!	شکستہ خاطر دما پوس و دلفگار ہوں میں
مزا شکست میں مجھ دل شکستہ کی کیا ہے؟	نہ عہدِ یار ہوں نہ توبہ بہار ہوں میں

دشمنوں کا گلہ ہے کیا ہدم!	دوست کے مکر کا جواب نہیں
---------------------------	--------------------------

خواب میں بھی کرم کیا تو کہا	اُٹھو! ہم آئے وقتِ خواب نہیں۔
چار آنکھیں نہ کیں، حجاب دیکھو	ہر چند میرے حضور بیٹھے
اللہ رے پاس بے نیازی	بیٹھے بھی کبھی تو دور بیٹھے
یار نادان ہے، ہمد میں کروں کس سے گلہ	آہِ گرم و نفسِ سرد کو وہ کیا جانے
آبلہ جس نے نہ دیکھا ہو کبھی آنکھوں سے	دل پر آبلے کے درد کو وہ کیا جانے
کیوں اس قدر بڑھائے ہیں گیسوئے تابدار	دامِ بلا میں ہاتھ سے اپنے اسیر ہے
ناداں یہ فکرِ زیب کرے گی جگر کوخوں	بندِ قبا نہیں ترے پہلو میں تیر ہے
تیری بے صبری سے ہے سارا فساد	مفت ملزمِ گردشِ افلاک ہے
رزق تیرا تجھ پہ عاشق ہے امیر	دیکھ لے گندم کا سینہ چاک ہے
قطعہ در تہنیتِ عید	
دل صبحِ عید شاد جو اہل جہاں کے ہیں	کچھ اور رنگِ آج زمیں آسماں کے ہیں
کپڑے نمازیوں کے بدن میں جو ہیں سپید	یہ ہیں ملکِ خصال وہ (حصّے) جناں کے ہیں
لایا ہے ماہِ نو خبرِ انبساطِ عید	ہر ایک گھر میں صبحِ بچھے گی بساطِ عید
دیتی ہے کُوبکویہ صد آج خُرمی	اے اہلِ صوم! تم کو مبارک نشاطِ عید
ہے صبحِ عید، عیش کا، عشرت کا جوش ہے	کوئی سپید پوش، کوئی سُرخ پوش ہے
آواز مسجدوں میں ہے تکبیر کی بلند	ہر میکدے میں آج صدائے نیوش ہے
ساماں ہیں عیدِ فطر کے، روزے ہوئے تمام	ہوتا ہے اہلِ صوم سے رخصتِ مہِ صیام

نکلا ہے آسماں پہ مہِ نو تو اس لیے	وقتِ وداع، جھک کے کرے آخری سلام
نکلامِ صیامِ فلک پر سجا ہوا	ہر تن پہ راست جامہٴ صدق و صفا ہوا
گذرے تمام خلق کے روزوں میں تیس دن	شکرِ خدا کہ فرضِ خدا کا ادا ہوا
کیا بزرگی میں فراواں ہیں یہ تیسوں روزے	عیدِ ہر مردِ مسلمان ہیں یہ تیسوں روزے
روزہ داروں کو نہ کس طرح سے کہے قاری	تیس سیپارہٴ قرآن ہیں یہ تیسوں روزے
جلوہ گر شد عید پیدا صبحِ فرخِ خال شد	عالمِ مسرور شد، فرسند شد، خوشحال شد
ہر کسے از بسکہ رُخِ افروخت از عیش و نشاط	خطِ پیشانی برنگِ عیدِ اطفال شد
بزمِ لبریز ۲۸ ہوئی ناز و ادا سے ایسی	جلوہ گر رات جو وہ ساقی مے نوش ہوا
غیر کا دخل تو کیا آپ میں پھر آنے کا	ساغرِ ناز سے جو بزم میں بے ہوش ہوا
اب ہم ہیں اور گوشہٴ عزلت ہے اے جنوں!	مدت ہوئی کہ ہاتھ گریباں کو دے چکے
کچھ بھی بساطِ سعی تہی دست میں نہیں	پائے شکستہ تھا، سو وہ داماں کو دے چکے
قطعہ در کثرتِ برفِ ریزی	
اتنی گری ہے برف کہ کھلتا نہیں ہے کچھ	نہروں میں یہ بٹیں ہیں کہ بلبلِ چمن میں ہیں
سردی کے مارے منہ نہیں کھلتا جو پوچھیے	پنچھی ہیں آشیاں میں کہ دندانِ دہن میں ہیں
در تہنیتِ فصد	
الہی فصد سے حاصل ہو راحت	مٹیں سب کلفتیں عشرتِ مبارک
زبانِ حال سے کہتا ہے نشتر	خدا یا! شاہ کو صحتِ مبارک

صرف چند قطعات سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے قطعات میں زبان و بیان کی گرمی، واقعات کی تفصیل، دلی لگاؤ اور قلبی احساس سب ہی کچھ ہے۔ یہ قطعات ان کے قلبی احساس کے آئینہ دار ہیں۔ جو کچھ جس کے بارے میں انھوں نے محسوس کیا اُسے نظم کر دیا۔

قطعہ میں ان کی شاعری کہیں کہیں آفاقی حد تک پہنچ جاتی ہے خاص طور پر قطعہ تاریخی میں۔ ان کے قطعہ میں ادب، اخلاق اور معرفت کے مضامین پائے جاتے ہیں۔ مضمون کی دلآویزی، بندش کی چستی، زبان کی صفائی اور خیالات کی پاکیزگی کے علاوہ مناظر قدرت کا بیان ان کے کلام کو مزید خوبصورت بنا دیتا ہے۔ ان قطعہ کے موضوعات پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں متنوع موضوعات نظر آتے ہیں کہیں دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کے بے وفائی ہے تو کہیں محبوب کے ناز و ادا اور نظر انداز کرنے کا غم۔ عید کے موقع پر لکھے گئے قطعہ مذہبی اور تہذیبی لحاظ سے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ جس میں ہمارے رسم و رواج، خوشی اور تہوار کی رونقیں نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ نوابان اودھ کی تہنیت میں اور موسم کے حالات کا بیان بھی موجود ہے۔ عید کی تہنیت میں ایک قطعہ فارسی میں بھی موجود ہے۔ تحقیق سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ قطعہ رام پور کے نواب حامد علی خان کے دور (۱۸۹۳ء تا) میں لکھے گئے ہیں۔ امیر پر لکھی گئی سوانح اور توارخ رام پور سے اس بات کی تحقیق ہوتی ہے کہ امیر نے دو شخصیات کے لیے عید کے مواقع پر قطعہ اور رباعیات تحریر کیں۔ ایک نواب حامد علی خان کی صحت یابی اور تخت نشینی پر دوسرے والیہ بھوپال شاہ جہاں بیگم سے ملاقات کے موقع پر۔ بھوپال میں لکھی گئی رباعیات اور قصائد سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جب امیر بھوپال گئے تو عید الاضحیٰ کا موقع تھا۔ یہ قطعہ عید الفطر کے موقع پر لکھے گئے ہیں تو غالب امکان یہ ہے کہ نواب حامد علی خان کے لیے لکھے گئے ہوں گے۔ ان قطعہ میں آخری قطعہ جو "در تہنیت فصد" لکھا گیا ہے اس سے بھی یہ نظر آتا ہے کہ یہ شاہ کی صحت یابی کے لیے لکھا گیا ہے۔ ۲۹ ان تمام قطعہ کی زبان سادہ اور موضوع واضح ہے۔ مشکل تراکیب اور پیچیدہ بیانات سے گریز کیا گیا ہے۔ ہلکی پھلکی تشبیہات اور سادہ تراکیب استعمال ہوئی ہیں۔ بیان و بدیع اور دیگر علوم کی اصطلاحات ہمیں ان قطعہ میں نظر نہیں آتیں جو امیر کے کلام کا بنیادی وصف ہے اور دیگر اصناف میں ہمیں نظر آتا ہے۔

امیر نے آقاؤں کی تعریف میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی لیکن انہیں اس بات کا احساس تھا کہ ان کی ایسی قدر دانی نہیں ہو رہی ہے۔ جس کے وہ مستحق ہیں۔ انہیں زمانے سے بڑی شکایت یہی رہی کہ دنیا کو تمام فائدے حاصل ہیں مگر شاعرِ غریب کو کچھ حاصل نہیں۔ کیسے دکھ ہوئے انداز میں اپنے افلاس اور زمانے کی ناقدری کا رونا دیا ہے۔ درج ذیل قطعہ اس بات کا ثبوت ہے۔

عطا کو حکم ہے عالم کی دست گیر ہے	کوئی نہ پنچہ افلاس میں اسیر ہے
خدا کی شان کہ دنیا کے ہوں فقیر امیر	جسے امیر کہیں سب، وہی فقیر ہے

امیر نے اردو شاعری کی اکثر مروجہ اصناف پر طبع آزمائی کی اور جابجا ان کے ادبی و معنوی تقاضوں کو پورا کیا ہے۔ بیک وقت اتنے اصنافِ سخن میں شعر کہنے والے شاعر سے یہ توقع رکھنا بے سود ہے کہ وہ ہر صنف کو منتہائے کمال تک پہنچا دے۔ لیکن جس حد تک امیر نے مختلف اصنافِ سخن میں کامیابی حاصل کی وہ ان کی قدرتِ کلام اور ذوقِ سخن کی جامعیت اور ہمہ گیری کو بڑی اچھی طرح نمایاں کرتی ہے۔

ادبی رنگ میں دو بیتی قطعے امیر نے بہت کم کہے ہیں۔ ان کے مطبوعہ دواوین میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ اس مضمون میں امیر کے صرف ان قطعے کا ذکر کیا گیا ہے جو غیر مطبوعہ تھے اور قطعہ تاریخ کی ذیل میں نہیں آتے۔ تاہم دوسرے ذرائع سے کچھ قطعے سامنے آتے ہیں۔ ان میں اکثر وقتی ضرورت کے لیے مدح، تہنیت یا اظہارِ تشکر میں کہے گئے ہیں اور بہت زیادہ اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔

بنیادی مآخذ

- بینائی، امیر، "مراۃ الغیب" موسوم بہ "دیوانِ امیر" لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۲۹۰ھ
- ، "انتخابِ یادگار"، (لکھنؤ: تاج المطابع)، ۱۲۹۰ھ
- ، "محامد خاتم النبیین" لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۲۸۹ھ
- ، "صنم خانہ عشق" لکھنؤ: مطبع تیغ بہادر، ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء
- ، "مکاتیبِ امیر بینائی"، مرتب: احسن اللہ ثاقب، (لکھنؤ: مطبع ادبیہ، لاٹوش روڈ)، ۱۹۲۲ء
- ، "امیر اللغات" جلد اول و دوم (یک جا)، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء
- ، "امیر اللغات" جلد سوم، مرتبہ: ڈاکٹر رؤف پارکچہ، لاہور: اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء
- ، "نغمہ قدسی" (شرح صوت المبارک واجد علی شاہ)، ترتیب و ترجمہ: محمد اطہر مسعود، (تہذیب فاؤنڈیشن آف پاکستان)، ۲۰۱۵ء
- ، "دیوانِ فارسی امیر بینائی"، مرتب: تحسین فراقی، لاہور: اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۵ء
- ، "بہارِ ہند"، مرتب: ڈاکٹر عتیق جیلانی، ڈاکٹر رفیق احمد، حیدر آباد: مکتبہ جلیلیانِ ادب، ۲۰۱۹ء
- ، "سرمۂ بصیرت، معیار الاغلاط"، مرتب: ڈاکٹر فائزہ زہر امیرزا، (کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی)، ۲۰۲۱ء

ثانوی مآخذ

- آہ، ممتاز علی، "سیرت امیر مینائی" لکھنؤ: ادبی پریس، ۱۹۴۱ء
- احمد، کریم الدین، "امیر اور ان کا تلامذہ"، لاہور: آئینہ ادب چوک مینار، ۱۹۸۲ء
- بیگم، سیدہ زہرا، ڈاکٹر، "مختصر تاریخ اردو ادب اور اصناف شاعری"، حیدر آباد، انڈیا: بوستان اشہر، ۲۰۰۵ء
- تبسم، صدف، "امیر مینائی بحیثیت قصیدہ گو" غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی (شعبہ اردو، جامعہ کراچی)، ۲۰۱۶ء
- رامپوری، نجم الغنی، "بحر الفصاحت" جلد اول، لکھنؤ: راجہ رام کمار بک ڈپو نوکسور، ۱۹۵۷ء
- سحر، ابو محمد، "مطالعہ امیر"، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۵ء
- فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر، "اردو شاعری کا فنی ارتقاء" (دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس)، ۱۹۹۴ء
- فریدی، عابدہ، ڈاکٹر، "اردو قطعات نگاری، آغاز و ارتقاء"، راجھستان، انڈیا: انیس کتاب گھر، ۲۰۱۰ء
- مانک پوری، جلیل، "سوانح امیر مینائی"، سن اور پبلشر ندارد

حواشی و حوالہ جات:

- ۱۔ ممتاز علی آہ، "سیرت امیر مینائی"، (لکھنؤ: ادبی پریس، ۱۹۴۱ء) ص ۱۔
- ۲۔ ابو محمد سحر، "مطالعہ امیر"، (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۶۵ء) ص ۱۰۸۔
- ۳۔ "مرآۃ الغیب" موسوم بہ "دیوان امیر" ۱۲۹۰ھ میں مطبع نول کشور، لکھنؤ سے شائع ہوئی۔
- ۴۔ امیر مینائی، "صنم خانہ عشق" ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء میں مطبع تنج بہادر، لکھنؤ سے شائع ہوئی۔
- ۵۔ امیر مینائی، "محمد خاتم النبیین" ۱۲۸۹ھ میں مطبع نوکسور، لکھنؤ سے شائع ہوئی۔
- ۶۔ امیر مینائی، "دیوان فارسی امیر مینائی"، مرتب: تحسین فراتی، (لاہور: اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی)، ۲۰۱۵ء
- ۷۔ "امیر اللغات" کی دو جلدیں (الف ممدودہ اور الف مقصورہ) بالترتیب ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۳ء میں مطبع مفید عام، آگرہ سے شائع ہوئیں جب کہ تیسری جلد جو بائے مودہ پر مشتمل تھی، ڈاکٹر رف پارکچہ صاحب کی ترتیب و تدوین، ۲۰۱۰ء میں اورینٹل کالج، لاہور سے شائع ہوئی۔
- ۸۔ امیر مینائی، "سرمد بصیرت، معیار الاغلاط"، مرتب: ڈاکٹر فائزہ زہرا میرزا، (کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی)، ۲۰۲۱ء

۹۔ "معیار الاغلاط" اور "سرمہ بصیرت" دونوں ایک ہی جلد میں شائع ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر فائزہ زہرا کے مطابق ان دونوں لغات میں بڑی حد تک یکسانیت ہے اور الفاظ و مباحث بھی بڑی حد تک مشترک ہیں۔ اس اعتبار سے مناسب یہی تھا کہ ایک واحد کوشش ایسی ہو کہ ان میں سے کسی ایک کے متن کو بنیاد بنا کر اسے ترتیب دیا جائے۔ ڈاکٹر فائزہ نے "سرمہ بصیرت" کے متن کو بنیاد بنا کر "معیار الاغلاط" کے متن سے تقابلی مطالعہ کیا ہے اور اختلافِ مشمولات کی سلیقے سے نشاندہی کی ہے۔ (بحوالہ "سرمہ بصیرت و معیار الاغلاط" مرتب: ڈاکٹر فائزہ زہرا میرزا، محولہ بالا)

۱۰۔ امیر مینائی، "بہارِ ہند"، مرتب: ڈاکٹر عتیق جیلانی، ڈاکٹر رفیق احمد، (حیدر آباد: مکتبہ جلیسانِ ادب)، ۲۰۱۹ء

۱۱۔ امیر مینائی، "انتخابِ یادگار"، (لکھنؤ: تاج المطابع)، ۱۲۹۰ھ

۱۲۔ احسن اللہ ثاقب، "مکاتیبِ امیر مینائی"، (لکھنؤ: مطبع ادبیہ، لاٹوش روڈ)، ۱۹۲۲ء

۱۳۔ امیر مینائی، "نغمہ قدسی" (شرح صوت المبارک واجد علی شاہ)، ترتیب و ترجمہ: محمد اطہر مسعود، (تہذیب فاؤنڈیشن آف پاکستان)، ۲۰۱۵ء

۱۴۔ نثر کی کئی کتابیں مثلاً میلاد نامے، لغات، مکاتیب، ایک تذکرہ "انتخابِ یادگار" اور دیگر کے بارے میں جاننے کے لیے ملاحظہ کیجیے، راقم کا مضمون "امیر مینائی کی نثری تصانیف" مشمولہ: مجلہ "تحقیق" شمارہ ۳۱، جنوری تا جون ۲۰۱۶ء، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جامشورو

۱۵۔ مثنوی اور تاریخ کوئی پر کچھ طلبہ تحقیق کر رہے ہیں۔

۱۶۔ ممتاز علی آہ، محولہ بالا، ص۔ ۱۴۳

۱۷۔ دیکھیے غیر مطبوعہ مقالہ، "امیر مینائی بحیثیت قصیدہ گو"، صدف تبسم، شعبہ اردو، جامعہ کراچی۔ ۲۰۱۶ء

۱۸۔ امیر مینائی کے ان شاگردوں نے بالترتیب امیر کی زندگی پر کتابیں لکھیں۔ جن کے نام اور تفصیلات درج ذیل ہیں۔

ممتاز علی آہ، "سیرتِ امیر مینائی" ((لکھنؤ: ادبی پریس)، ۱۹۴۱ء

جلیل مانک پوری "سوانحِ امیر مینائی"، سن اور پبلشر ندارد

کریم الدین احمد، "امیر اور ان کا تلامذہ"، (لاہور: آئینہ ادب چوک مینار)، ۱۹۸۲ء

۱۹۔ نجم الغنی رامپوری، "بحر الفصاحت" جلد اول، (لکھنؤ: راجہ رام کمار بک ڈپونو لکھنؤ)، ۱۹۵۷ء، ص۔ ۱۱۲

۲۰۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، "اردو شاعری کا فنی ارتقاء" (دہلی: ایجوکیشنل پبلیکیشن ہاؤس)، ۱۹۹۴ء، ص۔ ۴۴۱

۲۱۔ ڈاکٹر سیدہ زہرا بیگم، مختصر تاریخِ اردو ادب اور اصنافِ شاعری، (حیدر آباد، انڈیا: بوستان اشہر)، ۲۰۰۵ء

۲۲۔ ڈاکٹر عابدہ فریدی، "اردو قطعاتِ نگاری، آغاز و ارتقاء"، (راجمستان، انڈیا: انیس کتاب گھر)، ۲۰۱۰ء، ص۔ ۳۲

۲۳۔ کریم الدین احمد، محولہ بالا۔ ص۔ ۲۷۴

۲۴۔ ایضاً۔ ص ۲۸۔

۲۵۔ ایضاً۔ ص ۲۸۲

۲۶۔ اسرائیل احمد مینائی (نیرہ امیر مینائی) کی دو تاریخ پیدائش سامنے آئی ہیں ایک وہ جوان کی سرکاری دستاویزات میں درج ہے۔ وہ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۴ء ہے۔ جب کہ خاندانی معلومات کے مطابق اور ان کے خاندانی شجرے میں ۱۳ ستمبر ۱۹۲۰ء درج ہے۔ یہی اصل تاریخ ہے اس لیے اسی تاریخ کو ترجیح دی گئی ہے۔

۲۷۔ مصطفیٰ مینائی اسرائیل احمد مینائی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں اور اس وقت امریکہ میں مقیم ہیں۔ یہاں امیر مینائی کے تمام ذخیرے کی دیکھ بھال آپ کی بہن عائشہ مینائی کے سپرد ہے۔

۲۸۔ نسخے میں لفظ "لبریز" پر دو اضافی نقطوں کا ایک نشان موجود ہے جو سہو قلم معلوم ہوتا ہے۔

۲۹۔ دیکھیے امیر کے غیر مطبوعہ قصائد اور رباعیات (، امیر کی غیر مطبوعہ رباعیات کے عکس راقمہ کے پاس موجود ہیں جس پر تحقیقی کام جاری ہے۔)

غیر مطبوعہ مقالہ، "امیر مینائی بحیثیت قصیدہ گو"، صدف تبسم، شعبہ اردو، جامعہ کراچی۔ ۲۰۱۶ء